شہادت کا اصطلاحی وفقہی تصور......قرآن وسنّت کے تناظر میں

ڈاکٹر دلشاد*

کسی متنازعہ معاملہ کو ثابت کرنے والے ذرائع ثبوت میں سے ایک ذریعہ ثبوت شہادت ہے یہ ہماری عدالتی زندگی میں بہت معروف اور عام فہم اصطلاح ہے لغت کی رو سے شہادت کے معنی ''خبر قطعی'' ہیں۔(۱)

شریعت کی اصطلاح میں شہادت کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

اخبار صدق لا ثبات حق بلقظ الشهادة فی مجلس القاضی (۲)

شاہد بمعنی گواہ شہادۃ سے ماخوذ ہے۔اسلامی قانون میں شہادۃ کا لفظ خالص قانونی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔اس لحاظ سے شہادۃ اس قطعی اور فیصلہ کن بیان کا نام ہے جو قانونی عدالت میں حاضر ہوکر کسی ایسے معاملے کے متعلق دیا جاتا ہے جسے بیان کرنے والے نے بنفس نفیس دیکھا ہو۔(۳)

''شاھد وہ شخص ہے جو کسی واقعے کو دیکھنے کے بعد عدالت میں یا ان لوگوں کے سامنے جو عدالت کی طرف سے مجاز ہوں حاضر ہوکر سچا بیان دے''(۴)

قرآن کے ضابطہ شہادت کا ایک اصول یہ ہے:

یاایھا الذین امنو ان جاء کم فاسق بنبا فتبینو (۵)

ترجمہ:

اے مسلمانوں اگر کوئی ایسا شخص تمھارے سامنے کوئی بات کرے جس کا دینی واخلاقی کردار درست نہ ہو تو اس کی بات کی اچھی طرح چھان پھٹک کرلیا کرو۔

چھان پھٹک کو موثر بنانے کے لیے جو تکنیک استعمال کی جائے وہ خود مسلمان طے کریں گے۔مثلاً جرح کے اصول و ضوابط (Cross Examination) گواہ کو بلائے اس سے عدالت میں سوال وجواب یا کسی قاضی کی اپنے طور سے پوچھ گچھ وغیرہ کے ضوابط وضع کئے جاسکتے ہیں۔ایسے تکنیکی امور کے لیے نبی اکرم ﷺ نے اپنے عمل سے اور صحابہ کرام اور فقہاء نے عہد بہ عہد اپنے تجربے،تدبیر اور عقل سے ہمیں بہت کچھ بتادیا ہے۔

اسلامی قانون شہادت (Law of Evidence) کی تین اقسام ہیں:

۱) شہادت

---

* پرنسپل،گرلز ڈگری کالج،کوہاٹ روڈ،پشاور

۲) اقرار

۳) حلف بالیمین

قرآن مجید سے شہادت کے خدوخال بیان کئے جاتے ہیں۔قرآن میں آتا ہے کہ ہر مسلمان کے لیے شہادت دینا واجب ہے اور شہادت کو چھپانا حرام ہے خواہ وہ اپنے خلاف ہی جاتی ہو۔قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

ولا تکتمو االشھادۃ ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ (۶)

ترجمہ:

شھادۃ کومت چھپاؤ، جوکوئی اس کو چھپائے گا اس کا دل گہنگار ہے۔

دوسری جگہ فرمان الٰہی ہے:

یاایھا الذین اٰمنو کونو قوامین بالقسط شھداء للہ و لو علی انفسکم او الوالدین والاقربین (۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے سچی گواہی دو خواہ اس میں تمھارا یا تمھارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔"

مسلمانوں کے معاملات میں غیر مسلموں کو بحالت مجبوری گواہ بنانے کی اجازت ہے۔ جہاں گواہ بنانا اختیاری ہو وہاں مسلمان صرف مسلمان کو ہی گواہ بنائیں۔البتہ ذمیوں کے گواہ ذمی بھی ہوسکتے ہیں۔گواہ قابل اعتماد ہو جھوٹا نہ ہو۔ ضاعن نہ ہو، سزایافتہ نہ ہو اور ملزم سے دشمنی نہ رکھتا ہو۔اس لیے کہ معاشرے میں گواہ کی حیثیت ایک نگہبان اور فوجدار کی سی ہوتی ہے۔کسی غیر ذمہ دار شخص کو شہادت کی ذمہ داری سونپنا جو صحت معاشرے کی یا سواری کی کماحقہ، احساس نہیں رکھتا۔ اس کی نگاہ میں اتنی گہرائی نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ غیر متعلقہ اور غیر ذمہ دار شخص ہے جیسا کہ قرآن کریم میں حکم ہے:

اثنن ذو عدل منکم او آخر ان من غیر کم......فیقسمٰن باللہ (۸)

ترجمہ: یعنی تم سے دو مرد عادل (یعنی صاحب اعتبار) گواہ ہوں یا اگر (مسلمان نہ ملیں) تو دوسرے مذہب کے دو گواہ......اور دونوں خدا کی قسم کھائیں۔"

ہاں اگر گواہ کا کردار مشکوک ہو (یعنی فاسق ہو) تو قرآن سے تائید و توثیق (Corroboration) حاصل کر کے اس کی گواہی معتبر گردانی جاسکتی ہے۔

قرآن مجید کا فرمان ہے:۔

یاایھا الذین اٰمنو ان جاء کم فاسق بنبا فتبینو (۹)

ترجمہ: "اے مومنو! اگر تمھارے پاس ایسا آدمی کوئی بات کہلائے جس کا کردار مشتبہ ہو

تو اس کی بات کی اچھی طرح چھان بین کرلیا کرو۔''

شہادت بالقرآئن (Circumstanees Evidence) ایسے تحقیق کے لیے معتبر ہے۔گواہوں کی کم از کم تعداد دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں جو ان جرائم میں حدود نافذ کرتی ہیں ان میں عورت کی گواہی قبول نہیں۔ جو قرآن کریم میں فرمان ہے:

واتشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكون رجلين فرجل و امراتن ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذكر احداهما الاخرىٰ (۱۰)

ترجمہ:''اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ کرلیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو تا کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔''

ایک نظام کے جملہ اجزاء آپس میں تنظیم کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں۔اس لئے اس نظام کی ہر چیز کو اس کے پورے ماحول اور سیاق وسباق کو مدنظر رکھ کر سمجھنا چاہیے۔اب یہ سوال کہ عورت کی شہادت کو مالی معاملات میں مرد کی شہادت کا نصف کیوں قرار دیا اس کے بعض عمرانی اور نفسیاتی اسباب ہیں اس سے دو باتیں قطعی طور پر ثابت ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ عورت شہادت کی قابلیت رکھتی ہے جس کا جواز مندرجہ بالا آیت سے ثابت ہے۔لیکن شہادت دینے کے لیے کچھ شرائط کا پورا کرنا ضروری ہے جس طرح مرد کو شہادت دینے کے لیے کچھ شرائط کو پورا کرنا پڑتا ہے۔جیسا کہ قرآنی آیت سے ثابت ہے کہ دو عورتیں مل کر شہادت دیں اور ایک عورت دوسری عورت کی تصدیق وتائید کرے۔اس کی مصلحت یہ ہے کہ عورت مرد کے مقابلے میں زیادہ جذباتی مخلوق ہے اس کا عملی شعور بھی مردوں کے مقابلے میں زیادہ محدود ہوتا ہے۔اس کے علاوہ چونکہ زیادہ تر گھر کے اندر رہتی ہے اس لیے ذرائع معلومات محدود ہوتے ہیں اور شاید اس وجہ سے بھی عورتوں کو عدالتوں تک لے جانے کی حوصلہ شکنی بھی مقصود ہے۔بہرحال جہاں یہودی قانون شہادت میں عورت کی گواہی کو قطعاً ناقابل اعتبار قرار دیا گیا ہے۔وہاں اسلام نے عورت کو گواہی کا حق دیا ہے اگر چہ توثیق باھمی کے ساتھ بہرحال جہاں مردوں کی نظر نہیں جاتی وہاں عورتوں کی بلکہ ایک عورت کی شہادت بھی مقبول ہے۔حدود وقصاص میں عورتوں کی شہادت ناقابل قبول ہے اس لیے کہ عورتوں کو حکم الٰہی ہے:۔

و قرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية (۱۱)

ترجمہ: یہ وہ اپنے گھروں میں مقیم رہیں اور جاہلیت کے دور کی طرح اپنے حسن کی نمائش نہ کرتی پھریں۔''

شہادت علی شہادت: شہادت علی شہادت چونکہ خود شہادت جیسی ہے اس لیے قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ جرح وغیرہ کے ذریعے اس کو پرکھا نہیں جا سکتا البتہ بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً لوگوں کی اچھی خاصی تعداد اگر اس طرح ایک بات پر جمع ہو جائیں کہ عقل صریح کو اس کے انکار کی مجال نہ ہو(۱۲) ''شہادۃ علی شہادۃ میں ضروری ہے کہ اصل مرد شاھد پر دو مرد فرعی شہادت دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ چنانچہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شاھد اصلی کے دو فرعی گواہ الگ الگ ہوں بلکہ یہ کافی ہے کہ دو افراد) گواہ ہر اصلی گواہ کے شاھد ہوں۔'' (۱۳)

شہادت لیتے وقت عدالت(Court) کے لیے حقیقت کا ذاتی علم ضروری ہیں۔ شہادتوں سے اخذ شدہ علم کافی ہے۔ حلفیہ بیان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور اسے درست ہی تسلیم کیا جائے گا جب تک یہ بات غلط ثابت نہ ہو جائے۔ ذاتی اور اندرون خانہ باتوں کے لیے عورتوں کی شہادت معتبر سمجھی جائے گی۔ یہ تمام پہلو مندرجہ ذیل آیت سے اخذ ہوتے ہیں۔

یا ایھا الذین اٰمنو اذا جاء کم المومنات مهاجرات فامتحنوهن الله اعلم بایمانهن فان علمتموهن مومنٰت فلا ترجعوهن الی اللکفار o

(۱۴)

''ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں وطن چھوڑ کر آئیں تو ان کی آزمائش کرلو۔ اللہ تو ان کے ایمان خوب جانتا ہے۔ سو اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو۔''

<u>شہادت یا اقرار:</u>

اقرار بھی شہادت کی ایک قسم ہے لیکن یہ وہ شہادت یا گواہی ہے کوئی دوسرا کسی کے خلاف نہیں دیتا ہے۔ کسی شخص کے اپنے اقرار سے بھی ایک واقعے کی حقیقت ثابت ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

ترجمہ:

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے سچی گواہی دو۔ خواہ وہ تمھارے اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ (۱۵)

اقرار بھی شہادت کا ایک طریقہ ہے۔ جمہور فقہاء کے ہاں اقرار غیر کے حق کو اقرار کرنے والے کے ذریعے ثابت کرتا ہے۔ جرائم حدود میں اقرار چار مرتبہ صریح، بلا اکراہ اور بقاء ہوش و حواس ہونا ضروری ہے۔ انحراف شدہ اقرار(Retracted Confession) کی بناء پر سزا نہیں دی جا سکتی۔ اقرار و الزام کے شریک ثانی (Co-assused) کو مستوجب سزا نہیں بتاتا۔ (۱۶)

پس شہادت کی فقہی تعریف یہ ہے ''عدالت میں لفظ گواہی کے ساتھ حق ثابت کرنے کے لیے سچی خبر دینا

شہادت کہلاتا ہے‘‘(۱۷)۔اصطلاح فقہ میں شہادت کے ساتھ وہ سچی خبر بیان کی جائے جو گواہی دینے والے نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو۔(۱۸)

عدالت اور مجلس قضاء کی قیو سے وہ خبر آزاد ہوگئی جو کسی دوسرے مقام پر ہو اور صدق کی قید سے جھوٹی خبر خارج ہوگئی۔اور مشاہدہ کی قید سے وہ خبر خارج ہوگئی جو بذریعہ سماع یا بصورت خط وغیرہ معلوم ہوئی ء اور لفظ شہادت سے وہ خبر اور بیان خارج ہوگیا جو شہادت کی نوعیت سے نہ پیش کرے۔فقہاء اس بیان کو شہادت کی نوعیت سے نہ پیش کرے۔فقہاء اس بیان کو شہادت کہتے ہیں۔جو غیر کے حق کے لیے غیر کے خلاف مجلس عدالت میں قاضی کے روبرو دیا جائے۔اس معنی کے لحاظ سے شہادت کی مختلف تعریفیں ہیں۔حنفیہ سے اکمل الدین البابرتی شارح ہدایہ نے یوں شہادت کی تعریف کی ہے:۔

اخبار صدق لا ثبات حق بلفظ الشهادة فی مجلس القضاء(۱۹)

مجلس قضاء میں حق کو ثابت کرنے کے لیے لفظ شہادت کے ساتھ سچی گواہی کو شہادت کہتے ہیں۔اور مالکیوں میں الدیر نے شہادت کی تعریف یوں کی ہے:۔

بانهاء اخبار حاكم من علم ليقضى بمقتضاء (۲۰)

شہادت وہ خبر جس کا حاکم کو فیصلے کے لیے جاننا ضروری ہے۔اور شافعیہ میں سے الجمل کہتے ہیں:۔

اخبار بحق الغير على الغير بلفظ اشهد (۲۱)

وہ خبر جو غیر کے حق میں غیر کے خلاف دے۔اور حنابلہ میں سے شیخ عبدالقادر ابن عمر الشیبانی کہتے ہیں:۔

الا خبار بما علمه بلفظ اشهد او شهدت (۲۲)

ذكر عند رسول الله الرجل يشهد بشهادة‘‘ ، فقال لی! ’’يا ابن عباس
لا تشهد الا على ما يغنى لک لضياء هذه الشمس و او مارسول
الله بيده الى الشمس (۲۳)

رسول کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص کی شہادۃ کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا! اے ابن عباسؓ اس وقت تک شہادت نہ دو جب تک تجھے سورج کی طرح روشن نہ ہو جائے اور نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے سورج کی طرف اشارہ کیا۔

پس شہادت کی اصطلاحی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ حاکم عدالت کے روبرو مدعی اور مدعا علیہ کی اصالتاً وکالتاً یا کلما موجودگی میں اشہد کا لفظ استعمال کرکے یا کسی ایک شخص یا اشخاص یا جماعت کے ذمے ثابت ہونے کی سچی اطلاع بہم پہنچانا شہادت ہے۔مجلۃ الاحکام العولیہ کی دفعہ ۱۶۸۴ میں شہادت کی یوں تعریف کی گئی ہے۔الشہادۃ ھی الاخبار بلفظ الشہادۃ یعنی یقول اشہد باثبات حق احد فی ذمۃ الاخر فی حضور الحاکم وواجھۃ الخصمین ‘‘(۲۴) یعنی لفظ شہادت کے ساتھ کسی

ایک کے حق کو دوسرے کے ذمے حاکم عدالت کے روبرو اور فریقین مقدمہ کی موجودگی میں ثابت کرنے کے لیے خبر دینا شہادت کہلاتا ہے۔''فقہاء نے اداء شہادت کی وقت لفظ شہادت دیتا ہوں کی صراحت کو ضروری قرار دیا ہے۔ گواہ کا صرف اپنا علم و یقین ظاکر دینا کافی نہیں (۲۵)۔فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ شہادت کی قبولیت کے لیے لفظ ''اشھد'' بعینہ مضارع ایک لازمی امر ہے خواہ شہادت حدود و قصاص کے مقدمات میں ہو کا کسی حق کے بارے میں چونکہ اس لفظ کی تاکید کی شدت اور یہ لفظ صریح الفاظ میں شمار کیا جاتا ہے۔لہٰذا گواہی دیتے وقت اس لفظ کے استعمال کا ثبوت اجماع ہے۔(۲۶)

هی اخبار عن مشاهدة و عیان لا عن تخمین و حبان (۲۷)

یعنی شہادت کسی واقعہ کے بارے میں اپنے مشاہدے اور دید کے مطابق خبر دینے کو کہتے ہیں نہ کہ ظن و تخمین کی بنیاد پر۔
مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے

یلزم ان یکون الشھود قدعاینه بالذات المشھد به وان یشھد و اعلی ذلک الوجمه ولا یجوز ان یشھد بسماع (۲۸)

گواہ کے لیے ضروری ہے کہ جس چیز کی شہادت دے اسے اس نے خود دیکھا ہو اور اپنی شہادت میں یہی کہے کہ یہ جائز نہیں کہ محض سماعت کی بنیاد پر شہادت دے۔شہادت کی فقہی اور اصطلاحی بحث اس کی اہمیت اور افادیت کو اجاگر کرتی ہے اور معاشرے میں انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے شہادت کی ضرورت کو واضح کرتی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ ابن عابدین: محمد امین الشیخ ''ردالمختار علی الدرالمختار''، مطبوعہ بلوچستان، کوئٹہ، ۱۳۹۹ھ، ج ۴، ص ۴۱۱
۲۔ ایضاً
۳۔ العینی بدرالدین ''عمدۃ القاری''، طبع مصر، ۱۹۲۹ء، ج ۴، ص ۱۱۱
۴۔ ایضاً، ج ۴، ص ۳۶۲
۵۔ القرآن ۶:۴۹
۶۔ القرآن ۲۸۳:۲
۷۔ القرآن ۳۵:۴
۸۔ ایضاً
۹۔ القرآن ۶:۴۹

۱۰۔ القرآن ۲:۲۸۲

۱۱۔ القرآن ۳۳:۳۳

۱۲۔ خالد اتاسی، مجلۃ دفعہ ۱۶۷۲ (سطن)

۱۳۔ ابن عابدین، ''ردالمختار علی درالمختار''، مطبوعہ بلوچستان، کوئٹہ، ۱۳۹۹ھ، ج ۴، ص ۳۹۳

۱۴۔ القرآن ۴۰:۱۰

۱۵۔ القرآن ۴:۱۳۵

۱۶۔ السیوطی، عبدالرحمٰن (جلال الدین) ''الاشباہ والنظائر فی قواعد وفروع فقہ الشافعیہ، قائرہ، مطبع مصطفٰی البابی، الحلبی، ۱۳۲۲ھ، ج ۳، ص ۲۱۰

۱۷۔ الرغینانی: برھان الدین الحسن علی بن ابوبکر ''الھدایہ''، مطبوعہ، ملتان، ج ۳، ص ۷۹

۱۸۔ ایضاً، حوالہ مذکور

۱۹۔ الموسوعۃ الفقہی، کویت، وزارت الاوقاف، السئو دن الاسلامیۃ، کویت، ۱۹۹۲ء، ج ۶، ص ۱۲

۲۰۔ ابن ہمام کمال الدین عبدالواحد، ''فتح القدیر''، طبع بیروت، ج ۶، ص ۱۲

۲۱۔ الموسوعۃ الفقہی محولا بالا، ج ۲۶، ص ۲۱۵

۲۲۔ الموسوعۃ الفقہی، محول بالا، ج ۲۶، ص ۲۱۶

۲۳۔ ترمذی، ''سنن ترمذی''، (کتاب الشھادت)، طبع ۱۳۹۸ھ، محمد بن عیسٰی

۲۴۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ، ''رستم باز لینانی، طبع بیروت، ۲۰۰۱ء

۲۵۔ مرغینانی، ''الھدایہ''، طبع کراچی، ج ۳، ص ۱۴۰

۲۶۔ ابن نجیم: شیخ زین الدین، ''البحرالرائق علی کنزالرقائق''، مصر، ج ۷، ص ۵۵

۲۷۔ ایضاً محولہ بالا، ''بحرالرائق''، ج ۷، ص ۵۵

۲۸۔ المجلۃ الاحکام العدلیہ طبع بیروت دفعہ ۳۷